بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

قرآن کا پیغام بارہ اسباق میں

قرآن ناآشنا آدمی کا رویہ زندگی کے شہر میں کچھ اسی طرح کا ہوتا ہے جیسے کوئی نادان دیہاتی کسی بڑے شہر میں جا پہنچے۔ وہ حیرت زدہ اور مبہوت بھی ہو، سرپھرا اور غلط سیاروں کا مرتکب بھی۔ کبھی وہ آوارگی کرتا پھرتا ہے، کبھی مانے طریقے سے تفریح کرتا ہے یا لاابالی پن سے انسانوں اور عمارتوں پر نظر ڈالتا ہے، کبھی دنگے فساد پر اتر آتا ہے تو کبھی خواتین سے بدتمیزی کر گزرتا ہے، کبھی اداروں، دفتروں اور عمارتوں میں غلط طور پر جا گھستا ہے، کبھی ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی کرتا ہے، کبھی آنکھیں بند کر کے بھاگتا ہوا سڑک پار کرتا ہے۔ غرض قدم قدم پر اپنے اور دوسروں کے لیے مشکلات پیدا کرتا ہے۔ بسا اوقات پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے، کبھی عدالت میں لے جایا جاتا ہے، کبھی جیل کی ہوا بھی کھاتا ہے اور پھر کسی ناخوشگوار تجربے کے بعد بے بسی کے عالم میں بیٹھ کر زار زار رونے لگتا ہے مگر وہ سمجھ نہیں پاتا یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ کیوں ہے؟

فرض کیجیے اسی طرح کے کسی نادان نووارد کو آپ کسی جگہ پریشان و خستہ حال دیکھتے ہیں یا کسی سڑک پہ کسی پارک میں بے بسی سے روتا پاتے ہیں۔ آپ اس کے قریب چلے جاتے ہیں ہمدردی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اس کی دردبھری کتھا سنتے ہیں۔ پھر اسے پیار سے سمجھاتے ہیں — عزیز من! اس شہر کی ایک حکومت ہے، اس کا ایک انتظام ہے اس شہر میں رہنے اور اس کی چیزوں سے فائدہ اٹھانے اور اس کی پارکوں، عمارتوں اور گاڑیوں کو استعمال کرنے کے کچھ ضابطے

ہیں۔ یہاں کے انسانوں کے ساتھ معاملہ کرنے اور تعلق رکھنے کے کچھ آداب مقرر ہیں۔ اُن کو اگر نہیں جانو گے اور ان کا اگر لحاظ نہیں رکھو گے تو بار بار اذیت اور نقصان اُٹھاؤ گے۔ ان کو سمجھ لو اور قبول کر لو تو کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ لو میں تمہیں بتاؤں کہ یہاں حکومت کس کی ہے۔ یہاں کے قوانین اور آداب کیا ہیں اور یہاں کا اخلاقی آئین کیا ہے۔

کچھ ایسا ہی ہمدردانہ اور خیر خواہانہ معاملہ ہے جو قرآن غمزدہ پریشان حال اور آوارہ خیال انسان سے کرتا ہے۔

(۱)

قرآن کا بنیادی اور ابتدائی پیغام۔ یا سبقِ اوّل انسان کے لیے یہ ہے کہ یہ دنیا جس میں تم اُتارے گئے ہو یہ اندھی نگری نہیں ہے جس کا نہ کوئی راجہ ہو، نہ جس میں کوئی قانون وضابطہ رائج ہو۔ یہاں تم شترِ بے مہار بن کر کبھی امن و سکون نہیں پا سکتے۔ یہاں مادر پدر آزادی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ کائنات کسی کھلنڈرے بچے کا بنایا ہوا گھروندا نہیں ہے۔ زندگی رام لیلا کی طرز کا کوئی ناٹک نہیں ہے۔ بے مقصد بھول بھلیاں بھی نہیں۔ یہ سلسلہ حوادث ایک عبرت خانۂ امروز و فردا نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ایک اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ غرض تمہیں یونہی دل لگی کے لیے نیست سے ہست نہیں کر دیا گیا۔ تمہارے وجود اور زندگی دونوں کے لیے بڑی بھاری ذمہ داریاں ہیں۔

وہ لوگ زمین و آسمان (کے نظام) کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں (اور پھر پکار اُٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے ربّ تو نے یہ سب فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔

(آل عمران — ۱۹۱)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں یونہی فضول پیدا کر دیا ہے۔

(المومنون - ۱۱۵)

(۲)

قرآن سلطنتِ الٰہی کے انجان شہری کو کچھ اور باتیں بتاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس چمن میں پھول ہی پھول نہیں ہیں، کانٹے بھی ہیں۔ یہاں نسیم سحری ہی نہیں چلتی، صرصر و سموم بھی چلتی ہے۔

یہاں نشیمن ہی نہیں، دام اور قفس بھی ہیں۔ یہاں خرمن ہی نہیں ہوتے بجلیاں بھی گرتی ہیں، یہاں خیر کے ساتھ ساتھ شر بھی پایا جاتا ہے اور راحتوں کے ساتھ ساتھ دکھ بھی۔ یہاں زندگی اپنے کرشمے دکھاتی ہے اور موت اپنا اپنا پارٹ ادا کرتی ہے۔ یہاں انسان اضداد کے درمیان گھرا ہوا ہے۔

یہاں ہر اقدام لازماً اچھی ہی سمت میں نہیں ہوتا بلکہ بہت سی جادہ پیمائیاں منزلِ مقصود سے دُور تر بھی لے جاتی ہیں۔ یہاں رہنما اور رہزن ایسے گھُلے مِلے ہیں کہ آدمی کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ کس کا ساتھ دے۔ یہاں ہر قدم پر ایک دوراہا سامنے آتا ہے اور آدمی کو فوری فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ کدھر جائے۔

حق و راستی کی طرف لے جانے والے محرکاتِ خیر بھی ہیں اور محرکاتِ شر بھی، جن کے اثر سے بے شمار افراد بلندی کی طرف بھی جاتے ہیں اور بے شمار لوگ پستی کی طرف بھی لڑھکتے ہیں۔ اسی طرح اقوام ترقی بھی کرتی ہیں اور تباہ بھی ہوتی ہیں۔ دیکھو کتنے عالیشان تمدنوں کے مزار چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

اور تم سے پہلے کی قوموں کو (جو اپنے زمانے میں برسرِ عروج تھیں) ہم نے ہلاک کر دیا جب انھوں نے ظلم کی روش اختیار کی۔ (یونس - ۱۳)

وہ بتاتا ہے کہ یہ دُنیا کوئی جھوٹ کی دُنیا نہیں۔ یہ لاوارثا گھر نہیں ہے۔ یہاں کوئی خوانِ یغما بچھا ہوا نہیں ہے، بلکہ یہ کسی کی ملکیت ہے جس کے قوانین گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ جہاں تم نے غلط قدم اُٹھایا کوئی نہ کوئی قانون تمھیں گھیر لے گا۔ ایک نادیدہ قانونی قوت تمھارا احاطہ کرلے گی، اور تم اس کی پکڑ سے باہر نہ جا سکو گے۔

پھر جیسے، آپ اپنے شہر کے نووارد کو بتاتے ہیں کہ میاں یہاں ذرا چوکنّا رہ کے چلو پھرو، یہاں جیب کترے اور ٹھگ، اُٹھائی گیر بھی ہیں جو بھنگ یا نشہ آور مٹھائی کھلا کر نوواردوں پر ہاتھ صاف کر جاتے ہیں۔ اسی طرح قرآن انسان کو آگاہ کرتا ہے کہ یہاں ابلیس اور اس کا لشکر جن میں شیاطینِ انس بھی شامل ہیں، پھیلا ہوا ہے جو ہر بدی کو خوشنما اور رنگین و دلفریب بنا کر پیش کرتا ہے اور پھر چمکار کر، بہلا پھسلا کر تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن انتباہ کرتا ہے کہ:-

شیطان کی پیروی نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (البقرہ — ۲۰۸)

یہ شیاطین بسا اوقات دوست اور ناصح بن کر آتے ہیں۔ بڑے خیر خواہانہ مشورے دیتے ہیں، اُمیدیں دلاتے ہیں، پُراسرار طریق سے اپنی بات القا کرتے ہیں، بدترین معصیت کو رومان اور لذت اور تفریح اور رنگینی سے آراستہ کر کے لاتے ہیں، بدترین مفاسد کو حکمت و فلسفہ کے مرعوب کُن پیرایہ میں لپیٹ کر پیش کرتے ہیں اور پھر جب اُن کا شکار تباہی سے دوچار ہو جاتا ہے تو اُسے دھتکار کر کہتے ہیں کہ اب اپنی حماقت کا نتیجہ مزے سے بھگتو۔ شیاطین کے سربراہ کا یہ چیلنج بھی ملاحظہ ہو کہ:۔

پھر میں ان ابنائے آدم کو آگے سے پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے گھیروں گا۔
(الاعراف - ۱۷)

قرآن کے خیر خواہانہ انتباہات سے ایک سلیم الفطرت آدمی یہ حقیقت پا لیتا ہے کہ زندگی گزارنا کوئی کھیل نہیں ہے، یہاں تو ایک پُرخطر جنگل میں سے راستہ نکالنا ہے اور جو مختلف راستے نکلتے ہیں اور اُن کی طرف مختلف بلانے والے بُلاتے ہیں، ان میں سے صحیح راستے کی شناخت کرنی ہے جو انسانی ارتقا کی آخری منازل تک لے جا سکے۔

(۳)

قرآن کے اس دوسرے سبق کے تقاضے سے تیسرا سبق اُبھرتا ہے اور ایک بیدار دل آدمی کا ذہن خود بخود ادھر منتقل ہو جاتا ہے کہ یہ دُنیا بچ بچا کے چلنے کی جگہ ہے، یہاں پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیے۔ یہاں ہر مقام پہ یہ طے کرنا ضروری ہے کہ صحیح کیا ہے؟ اور غلط کیا ہے؟
مدعا یہ کہ صحیح زندگی جبھی مل سکتی ہے جب کہ اس کے ساتھ تمیزِ خیر و شر کی کم از کم سنجیدہ کوشش پائی جائے، جو زندگی تمیزِ خیر و شر کی کوشش سے خالی ہو، وہ فلاح سے خالی رہے گی اور کبھی اچھے نتائج تک نہیں پہنچے گی۔

(۴)

قرآن شہرِ زندگی کے پریشان خیال نو وارد کو یہ احساس دلاتا ہے کہ دُنیا کی گذرگاہ سے گذرنے والے مسافر کے لیے غفلت کے ساتھ اور عبرت سے بے نیاز ہو کر چلنا درست نہیں ہے بلکہ بیدار عقل، متحرک ذہن

کھلے کانوں اور دیکھتی آنکھوں کے ساتھ ہی یہ وادی بخیر و خوبی پار کی جاسکتی ہے۔ اس کی نگاہ میں وہ لوگ فریضۂ زندگی کو ادا کرنے میں بالکل ناکارہ ہیں۔ جو صُمٌّ بُکمٌ عُمیٌ (بہرے گونگے اور اندھے) کی تعریف میں داخل ہیں۔ اور سُنیے۔

یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ (الانفال ۔ ۲۲)

دوسری جگہ وہ اس ناکارہ عنصر کا تذکرہ یوں کرتا ہے:

ان لوگوں کے دل (دماغ) ہیں مگر یہ اُن سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر یہ اُن سے دیکھتے نہیں۔ اُن کے کان ہیں، مگر اُن سے سُنتے نہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گئے گذرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں۔ (الاعراف ۔ ۱۷۹)

وہ انسانوں کو تفکّر اور تدبّر کا درس دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کائنات اور زندگی کی حقیقتوں کے متعلق آدمی کے دل میں سوالات پیدا ہوں۔ وہ اپنی حقیقت جاننے کے درپے ہو۔ وہ اپنا صحیح مقامِ دُنیا میں متعین کرے کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ اس کا مرتبہ کیا ہے، اُس کا کس سے کیا تعلق ہے اور اُسے یہاں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

لیکن جو لوگ ان بنیادی مسائل کے بارے میں کبھی کاوش ہی میں نہ پڑیں کبھی ان کے دلوں میں کوئی سوال ہی زندگی کی حقیقت کے بارے میں پیدا نہ ہو بلکہ کھانے کمانے، گھر بسانے، جنسی تسکین کے درپے ہیں۔

(۵)

عقل سے کام لے کر مطالعہ کائنات و حیات کا مشورہ دے کر قرآن پیچھے نہیں ہٹ جاتا بلکہ شہرِ زندگی کے مسافر کو ایک گائیڈ کی طرح اپنے ساتھ گھماتا ہے اور ایک ایک کر کے آیاتِ حقیقت کو اس کے سامنے کھولتا ہے۔

وہ مونس و ہمدم بن کر اس سے کہتا ہے کہ آؤ تمہارے ساتھ ہو کر تمہیں کچھ دکھاؤں۔ پیارے انسان یہ دیکھتے ہو کہ سورج کس باقاعدگی سے مشرق سے نکل کر مغرب میں ہر روز ڈوبتا ہے اور چاند تاروں کی گردش دیکھو، دن اور رات کا ادل بدل دیکھو، موسموں کے چرخے کا گھماؤ دیکھو، یہ مقررہ

ڈھنگ سے چلنے والی ہوائیں، یہ ہواؤں کے دوش پر لد کر آنے والے بادل اور پھر بادلوں کا کثیف بن جانا، یہ مُردہ زمینوں کا زندہ ہونا، یہ ننھے ننھے بیجوں کا پھوٹنا - یہ نشوونما پاتی فصلیں، یہ ہرے بھرے کھیت، یہ طرح طرح کے درخت، ان پر لگنے والے مختلف رنگوں اور ذائقوں کے پھل، یہ زمین پر بنتے ہوئے راستے اور ان کو نمایاں کرنے والے نشانات، یہ سمندروں پر تیرتی کشتیاں، یہ پہاڑ جیسی اُٹھتی موجیں، یہ کشتیوں اور طوفانوں کی کشاکش میں انسانی زندگی کا ڈانواں ڈول ہونا، خود انسان کا اپنا نظامِ ولادت و پرورش، انسانوں کی شکلوں اور رنگوں اور بولیوں کا تفاوت، یہ تمہارے سامنے پھیلی ہوئی کتابِ حقیقت کی روشن آیات ہیں - ان میں تم تین باتیں نمایاں دیکھتے ہو - ایک نظم و ترتیب دوسرے توافق اور تیسرے حسن و جمال اور وہ دریافت کرتا ہے:-

تو خدا کی پیدائش وصفتِ خلق میں کوئی نقص و کوتاہی نہ پائے گا - ایک بار ذرا نگاہ ڈال، کیا اس نظام میں کوئی رخنہ نظر آتا ہے (الملک - ۳)

قرآن اپنے شاگرد کو پھر توجہ دلاتا ہے کہ یہ تمام چیزیں قانون کی پابند ہیں اور ایک اقتدار میں جکڑی ہوئی ہیں - اتنے بھاری بھاری اجرام اور عالم طبعی کی طوفانی طاقتوں کو ضوابط کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے - اور وہ قوتِ برتر کے سامنے مطیع و منقاد اور مسلم عاجز بنی ہوئی ہیں -

اور آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی تابعِ فرمان (مسلم) ہیں (آل عمران - ۸۳)

اس استدلال کے راستے قرآن آدمی کے ساتھ لیے اس شعور تک پہنچتا ہے کہ نظم و ترتیب اور توازن و توافق اور قانون و ضابطہ اور حسن و جمال کے ساتھ چلنے والی اس دنیا میں جہاں پتہ پتہ، قطرہ قطرہ اور ذرہ ذرہ (اور آج کی معلومات کے مطابق ایٹم کا ایک ایک برقیہ) ایک بندش میں جکڑا ہوا ہے - خود تم بھی نہ تو عملاً آزاد ہو اور نہ آزادی کا استحقاق رکھتے ہو اور نہ آزادی میں تمہارا بھلا ہے -

یوں قرآن، شہر زندگی کے انجان نو وارد کو گھماتے پھراتے اور یہاں کے احوال کا مشاہدہ کراتے کراتے اس کے اندر غیر محسوس طور سے یہ احساس پیدا کر دیتا ہے کہ یہاں تمہارا مقام مالک اور حاکم و مقتدر کا نہیں ہے، بلکہ محکومی اور عبودیت کا ہے اور تمہاری خیر اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو

"ملیکِ مقتدر" کی رضا کے حوالے کر دو۔

(۶)

قرآن متذکرہ بالا سارے ابتدائی اسباق بن کا مقصد اصل سبق کے لیے مخاطب اور قاری کو تیار کرنا ہے۔ وہ درحقیقت ہدایت کی پیاس پیدا کرنا چاہتا ہے۔ بعد میں ہدایت کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔ وہ پہلے طلب پیدا کرتا ہے پھر مطلوب کو سامنے لے آتا ہے۔ پہلے سوال اُبھارتا ہے پھر جواب فراہم کرتا ہے۔

قرآن اہل تدبّر اور تفکّر اور اصحاب احتیاط و تقویٰ کو وہ اصل سبق دیتا ہے جس کے لیے بڑی تیاریاں ہیں اور بڑا اہتمام ہے۔

آیئے اس مرکزی سبق کو قرآن سے اخذ کریں۔ وہ مختصر سا سبق یہ ہے:

اے انسانو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ شاید کہ تم (پوری طرح) تقویٰ کیش بن سکو۔ (البقرہ — ۲۱)

یعنی غور و فکر کرنے والے (اولوالالباب) جب یہ حقیقت پالیں کہ یہاں نظم و توافق ہے، مقصد و غایت ہے، حُسن و جمال ہے تو انہیں اس صداقت تک ازخود پہنچنا چاہیے کہ یہ سارا سلسلۂ وجود حکیمانہ قوانین پر مبنی ہے اور قانون کا وجود یہ پتہ دیتا ہے کہ کوئی قانون ساز اور کارپرداز ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ وہ اللہ ہے۔ وہی تمہارا رب ہے اور اُس رب کے ساتھ تمہارے تعلق کی ایک ہی صورت عقلاً بھی درست ہے اور عملاً بھی صحیح ہے کہ تم اُس کے عبد بن کے رہو، مگر عبادت کسی جزوی صورت میں مراد نہیں، یہاں پوری زندگی کا مصرف بیان ہوا ہے۔ اس کائنات میں دو ہی بڑے مناصب ہیں۔ ایک رب اور معبود ہونے کا، دوسرا بندہ اور عبادت گزار ہونے کا۔ انسان بہرحال رب اور معبود نہیں ہے۔ اس کا منصب صرف دوسرا ہی منصب ہو سکتا ہے اور وہی ساری مخلوق کا مقام بھی ہے۔ وہ اپنی زندگی کے کسی بھی گوشے میں اور زمانے کے کسی بھی عرصے میں عبدیت کے مقام سے الگ نہیں ہو سکتا اور اس کے لیے کوئی امکان نہیں ہے کہ رب یا معبود کے مرتبے پر فائز ہو یا اس مرتبے میں رب کائنات کا حصّہ دار ہو سکے۔

پوری زندگی کو خدا کی عبادت میں لگا دینا صرف اس صورت میں ممکن ہے (باقی ص ۵۲)